نصرتِ الٰہی: طلب کے تقاضے

پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (الانفال ۸:۱۰) اور مدد نہیں آنی ہے، مگر اللہ ہی کی جانب سے جو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (الروم ۳۰:۵) اللہ جسے چاہتا ہے اپنی نصرت سے نوازتا ہے اور وہی غالب ہے، وہی رحم فرمانے والا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج ۲۲:۷۸) اور اللہ سے تعلق جوڑ لو، وہی تمھارا مولیٰ ہے، کیا ہی خوب مولیٰ ہے وہ اور کیا ہی بہترین مددگار ہے وہ۔

ان آیات میں اہلِ ایمان کو یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اللہ ہی ان کا مولیٰ اور کارساز ہے، وہی ان کا حامی و ناصر ہے۔ اسی کی تائید و توفیق سے انھیں فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ اسی کے فضل و کرم سے وہ کامیابی و کامرانی سے شادکام ہوتے ہیں اور اسی کی عنایت و رحمت سے انھیں مصائب و مشکلات سے نجات ملتی ہے۔ لہٰذا، ہر حال میں وہ اسی سے رجوع کریں، اسی کو راضی کرنے والے کاموں میں مصروف رہیں اور اسی کی نصرت کے طلب گار بنیں۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو ان کے دکھ درد کا درماں فراہم کرے، ان کی مشکلات کو آسان بنائے اور مخالفوں اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے ان کی حفاظت فرمائے۔

● **اہل ایمان کے لیے خوشخبری:** قرآن کریم کی متعدد آیات میں اہلِ ایمان کو نصرتِ الٰہی نصیب ہونے کی خوش خبری سنائی گئی ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دوسرے لوگ

اللہ کے دین کی راہ میں ان کے ساتھ چلنے والے، چاہے قدم پیچھے ہٹالیں، ان کا ساتھ چھوڑ دیں، خواہ مخالفین سب کے سب اہلِ اسلام کے خلاف متحد ہوجائیں، ایمان کی نعمت سے سرفراز ہونے والے یہ یقین رکھیں اور پُرامید رہیں کہ ان کا حقیقی مولیٰ و کارساز اور حامی و ناصر اللہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اس پر بھروسا رکھیں، وہی ان کی مدد فرمائے گا اور انھیں فتح و کامرانی سے نوازے گا، جیسا کہ اس نے اس سے پہلے اپنے مومن بندوں کو اپنی نصرت سے شادکام کیا ہے (اٰل عمرٰن ۳: ۱۲۲-۱۲۳)۔

اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک و مختارِ کل ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ: فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے، وہ جب چاہتا ہے اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ اللہ اپنی نصرت سے کسے نوازتا ہے؟ یہ اس کی حکمت و مصلحت پر منحصر ہے، وہ علیم و خبیر اور حکیم ہے۔ اس کا کوئی فیصلہ و فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، چاہے انسان اسے سمجھے یا نہ سمجھے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

بِنَصْرِ اللّٰہِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (الروم ۳۰: ۵) اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے اور وہی غالب ہے، وہی رحم فرمانے والا ہے، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے [سمجھتے]۔

وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝ (اٰل عمرٰن ۳: ۱۳) اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے، اصحابِ بصیرت کے لیے اس میں بڑا سبق ہے۔

اہلِ ایمان کے لیے یہ بڑے شرف کی بات اور وجہِ تسلّی ہے کہ اللہ نے مومن بندوں کی مدد اپنے اوپر ان کا حق قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِھِمْ فَجَآءُوْھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الروم: ۳۰: ۴۷) اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر جنھوں نے جرم کیا ان سے ہم نے انتقام لیا اور ہم پر یہ حق تھا کہ مومنین کی مدد کریں۔

ایک دوسری آیت میں گذشتہ قوموں کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا کہ سرکش و نافرمان لوگوں پر عذاب آنے کی صورت میں اللہ نے اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کو اس سے بچا لیا:

ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ (یونس ۱۰:۱۰۳) پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو بچا لیا کرتے ہیں جو اہلِ ایمان ہیں، اس طرح ہم پر یہ حق ہے کہ ہم مومنوں کو بچا لیں۔

مزید یہ کہ اللہ رب العزت نے اپنے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو اپنی نصرت کا یقین دلاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ وہ اطمینان رکھیں کہ ہم اپنے پیغمبروں اور اہلِ ایمان کو دنیا میں اپنی نصرت سے نوازتے ہیں اور آخرت میں بھی انھیں نوازیں گے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ (المؤمن ۴۰:۵۱)۔ سورۃ الانفال کی آیت ۶۴ میں ارشادِ ربّانی ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾ ''اے نبیؐ! اللہ تمھارے لیے اور ان مومنین کے لیے کافی ہے جو تیری اتباع کریں''۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قرآن میں متعدد مقام پر اہل ایمان کو یاد دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مخالفین سے جنگ کے مواقع پر (ان کی قلتِ تعداد اور جنگی ساز و سامان کی کمی کے باجود) ان کی مدد کر کے انھیں فتح سے نوازا تھا (اٰل عمرٰن ۳:۱۲۳، الانفال ۸:۹-۱۰، ۶۲-۶۴، التوبۃ ۹:۴۰)۔

ان واقعات کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اہلِ ایمان انھیں ذہن میں رکھیں، ان پر غور کریں، ان سے سبق حاصل کریں تو نصرتِ الٰہی نصیب ہونے کا یقین اور پختہ ہوجائے گا اور توکّل علی اللہ کی کیفیت تازہ اور مزید مضبوط ہوجائے گی۔ یہاں اس نکتہ کی طرف اشارہ بھی اہم معلوم ہوتا ہے کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنی نصرت کا یقین دلایا ہے یا انھیں اپنی نصرت سے نوازنے کے کسی واقعہ کا ذکر کیا ہے، ان کے آخر میں یہ صفاتِ الٰہی مذکور ہیں: العزیز الحکیم. قَوِیٌّ عَزِیْزٌ. العزیز الرحیم (الانفال ۸:۱۰، اٰل عمرٰن ۳:۱۲۶، الحج ۲۲:۴۰)۔

اس سے ذہن میں یہ حقیقت بٹھانی مقصود ہے کہ اللہ ہی ہر طرح کی قوت و طاقت کا مالک ہے۔ وہ مختارِ کل ہے، نصرت و فتح سے نوازنا اسی کے اختیار میں ہے، شکست و ہزیمت کی آزمائش

اسی کی مرضی سے ہوتی ہے۔

● **اللہ کی اطاعت اور دعوتِ دین:** نصرتِ الٰہی کی طلب کس شخص کو نہیں ہوتی؟ واقعہ یہ کہ مسائل ومشکلات سے ہر ایک دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ کی مدد کے طلب گاروں سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اس پہلو سے سوچیں اور غور کریں کہ اللہ رب العالمین نے اہلِ ایمان کو اپنی نصرت کا یقین دلایا ہے، تو آخر ان پر اللہ کا کچھ حق عائد ہوتا ہے کہ نہیں؟ کیا وہ اسے ادا کرنے میں سنجیدہ ہیں؟ یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ اہلِ ایمان کو اپنی نصرت کی یقین دہانی کراتے ہوئے اللہ رب العزت نے اپنی کتابِ عزیز میں یہ واضح کر دیا ہے کہ ہم نے مختلف مواقع پر اہلِ ایمان کی مدد کی ہے، انھیں مشکلات ومصائب سے نجات بخشی ہے، اور اسی طرح ان کی مدد کرتے رہیں گے، ان کی مشکلات کا ازالہ کریں گے، ان کے مسائل حل کریں گے۔ ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں سرگرم رہیں۔ روزمرّہ زندگی میں اس کے حکموں کے سامنے سر جھکاتے رہیں، اس کو راضی کرنے والے اعمال میں لگے رہیں اور اس کے پسندیدہ دین کی اشاعت کو اپنا مشن بنالیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد ۴۷:۷) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد فرمائے گا۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۴۰ (الحج ۲۲:۴۰) اور اللہ ضرور مدد کرے گا ان لوگوں کی جو اس کی مدد کرتے ہیں، بے شک اللہ طاقت والا اور غلبہ والا ہے۔

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مختلف غزوات میں معاندین ومخالفین کے مقابلے میں اہلِ ایمان کو نصرتِ الٰہی سے شاد کام کیے جانے اور دشمنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے سے متعلق آیات پر غور وخوض سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ اہلِ ایمان پر اللہ کا یہ فضل وکرم کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں، بلکہ انھیں اللہ کی مدد نصیب ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ سورۂ محمد کی مذکورہ بالا آیت میں مومنین کو یہی اطمینان دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ (یعنی اس کے دین) کی مدد کرتے رہیں، اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔ اس آیت اور اس نوع کی دوسری آیات کی وضاحت میں مفسرین نے عام طور پر 'اللہ کی مدد' سے مراد اس کے دین کی مدد مراد لیا ہے، یعنی دینِ حق کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں سرگرم رہنا اور اللہ کی عطا کردہ جسمانی، ذہنی وعلمی صلاحیتوں اور اس کے عنایت کردہ وسائل کو

خدمتِ دین میں لگا دینا اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہنا۔

ان سب کے ساتھ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ روزمرہ زندگی میں دین کے مطالبات پورے کرنے، یعنی ہر کام کے وقت اس سے متعلق حکمِ الٰہی اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد رکھنے، اسی کے مطابق عملی قدم اٹھانے اور دوسروں کو اس کی یاددہانی کراتے رہنے سے دین کو تقویت ملتی ہے، اس کی طرف لوگ راغب ہوتے ہیں۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ عمل بالقرآن والسنّۃ سے دین کی اشاعت کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

● **اللہ کے مددگار بنو:** اسی ضمن میں یہ نکتہ بھی توجہ طلب ہے کہ سورۃ الصّف کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو 'انصار اللہ' ہونے کی دعوت دی ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ (الصف ۶۱: ۱۴) ''اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ''۔ لاریب اللہ بے نیاز ہے، وہ مختارِ کل ہے، قادرِ مطلق ہے، اللہ کو کسی کی مدد کی احتیاج کیسے ہوسکتی ہے، یہ سوچنے کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے مددگار رہونے سے دین کا مخلص خادم ہونا، دین کی راہ میں پوری دلجمعی اور لگن کے ساتھ رواں دواں رہنا، خود بھی اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا ہے۔ اسی آیت میں آگے جو کچھ ذکر ہوا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں (یا حمایتیوں) سے یہ کہا تھا کہ کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہے؟ حواریوں نے کہا تھا کہ ہم ''انصار اللہ'' ہیں، پس ان میں سے ایک گروہ کے لوگ ایمان لائے اور دوسرے نے انکار کیا، آخرکار اللہ کی تائید و نصرت سے ایمان لانے والوں کو دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوا اور وہ فتح یاب ہوئے۔

بلاشبہ ایمان لانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدق دل سے ایمان لائے، اس کے تقاضے کو بحسن و خوبی پورا کیا اور سورۃ البقرۃ کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ص (۲:۲۰۸) کا مصداق بن گئے۔ انصاراللہ بن جانے کی دعوت سے متعلق آیات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ روزمرہ زندگی میں دینِ برحق کے تقاضوں کو پورا کرنے اور مختلف زمانے میں اللہ کے مبعوث کردہ رسولوں کی بے لوث رفاقت و نصرت کے لیے کھڑے ہوجانے کو اللہ کے دین کی مدد سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس خدمت میں سرگرم رہنے والوں کو 'انصاراللہ' کہا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ بہت بلند مقام اور یہ معزز لقب انھی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو دین کی اشاعت اور اس کی سربلندی کی

خاطر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہتے ہیں اور اپنے قول و عمل سے اسے سچ کر دکھاتے ہیں۔

سورۃ الصفّ کی مذکورہ آیت سے پہلے کی آیت بتا رہی ہے کہ اللہ رب العزت ایسے ہی مومنین و صادقین کو اپنی نصرت سے مشرف فرماتا ہے اور اس کی خوش خبری سنا کر ان کے دل کو باغ باغ کر دیتا ہے۔ واقعہ یہ کہ عاملین بالکتاب والسنّت کی حیثیت معاشرہ میں چلتی پھرتی کتابوں کی ہوتی ہے، اور یہ کتابیں یقینی طور پر ان کے پڑھنے والوں، یعنی ان کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والوں کو متاثر کرتی ہیں۔ اللہ کے دین کی مدد کا یہ پہلو بھی لائقِ توجہ ہے۔ سورۃ الانفال کی آیت ۴۰ کی تفسیر میں ایک مفسر کی یہ وضاحت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جس کو اللہ کی مدد کی خواہش ہو اسے چاہیے کہ اس کے حکم پر عمل کرے (آسان تفسیر، عائض القرنی، ترجمہ: محمد طارق ایوبی ندوی، ص ۱۰۶۲)۔

مزید یہ کہ اہلِ ایمان کو اپنی نصرت سے نوازتے رہنے کے واقعات کو یاد دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۱۲۳ (اٰل عمرٰن ۳:۱۲۳)۔ یعنی نصرتِ الٰہی نصیب ہونے کا تقاضا ہے کہ ربِّ کریم کا شکر ادا کیا جائے اور یہ بخوبی معلوم ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک نہایت اہم پہلو (جس کی طرف لوگوں کی توجہ کم جاتی ہے) یہ ہے کہ روز مرّہ زندگی سے متعلق اس کی ہدایات کو یاد رکھا جائے، ان پر عمل کیا جائے اور شب و روز اس کی مرضی کے مطابق بسر کیے جائیں۔ ان سب باتوں سے مقصود اس نکتہ پر زور دینا ہے کہ دینِ حق کی اشاعت کی جو بھی ممکنہ صورتیں ہیں انھیں اختیار کیا جائے اور اسی کے ساتھ عملی زندگی میں دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے تو اللہ کی مدد نصیب ہوگی۔

● **گناہوں سے پرہیز:** قرآن کریم کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آزمائش میں ربّ کریم کی مدد طلب کرنے کے لیے دو چیزیں خاص طور سے مطلوب ہیں: گناہ کے کاموں سے پرہیز اور مغفرت طلبی۔ یعنی قرآن کریم نصرتِ الٰہی کے طلب گاروں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان تمام کاموں سے دُور رہیں اور دوسروں کو ان سے دُور رکھنے کی کوشش کریں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور ان کاموں کو انجام دینے کے لیے آگے بڑھتے رہیں، جنھیں ربِّ کریم پسند فرماتا ہے یا جن کے کرنے والوں کو وہ محبوب رکھتا ہے۔ بلا شبہ اللہ کو ناراض کرنے والے کاموں سے اجتناب رضائے الٰہی کا وسیلہ بنتا ہے اور اسی سے بالآخر نصرتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقام پر نافرمان، سرکش اور شنیع گناہوں میں ملوث قوموں کو عذاب سے دوچار کئے جانے کے ضمن میں صاف طور پر یہ مذکور ہے کہ وہ اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے جو گناہ سے پرہیز کرتے تھے اور اللہ رب العزت کی ناراضگی سے ڈرتے تھے۔ نافرمان و سرکش قوموں میں قومِ ثمود بہت معروف ہے۔ ان پر ان کے بُرے کرتوتوں کی پاداش میں عذاب مسلط کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے: وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝ (النمل ۲۷:۵۳) ''اور ہم نے ان لوگوں کو (عذاب سے) بچا لیا جو ایمان لائے اور تقویٰ والے تھے''۔

تقویٰ والے کون لوگ ہیں اور متقی کسے کہیں گے؟ بعض آیات میں اس کی بڑی جامع تعریف ملتی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ جو سچ بات لانے والے کی تصدیق کرتے ہیں اور خود بھی اپنے قول و عمل سے سچ بات کو ماننے کی تصدیق کرتے ہیں، یعنی اسی کے مطابق اپنے قول و عمل کو ڈھال لیتے ہیں، جو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں سنجیدہ و سرگرم رہتے ہیں، گناہ میں ملوث ہوکر نہ اللہ کو ناراض کرتے ہیں اور نہ اللہ کے بندوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہتے ہیں (البقرہ ۲:۱۷۷، الزمر ۳۹: ۳۳)۔ سورۂ حجرات کی آیت ۱۵ صادقون یا سچّے لوگوں کی خصوصیات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس آیت کے مطابق ایمان میں سچے وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد پھر اس سے متعلق کسی شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوئے، اس پر جمے رہے اور دینِ حق کی راہ میں جان و مال کی قربانی بلا کسی پس و پیش دیتے رہے۔

اسی ضمن میں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ متعدد آیات میں یہ فرمانِ الٰہی ملتا ہے کہ تقویٰ یا پرہیزگاری اختیار کرو، یعنی گناہوں سے دور رہو تو اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (الحجرات ۴۹:۱۰) ''اور اللہ سے ڈرو، گناہ سے اپنے کو بچاؤ، تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔ ظاہر ہے کہ جو شخص روزمرہ زندگی میں اللہ و رسولؐ کی اطاعت کا رویہ اختیار کرے گا، وہ ہر حالت میں اپنے کو ان کی نافرمانی سے بچائے گا اور گناہ کے کاموں سے پرہیز کرے گا۔

اسی طرح قرآن میں صاف صاف مذکور ہے کہ اللہ رب العزت اور اس کے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے رحمتِ الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (اٰل عمرٰن ۳:۱۳۲) ''اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تو تم پر رحم کیا جائے گا''۔

یہ امر بدیہی ہے کہ اللہ کی رحمت جنھیں نصیب ہوتی ہے وہ اس کی تائید و نصرت سے بھی شاد کام ہوتے ہیں۔ یہاں یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ایک دفعہ علمِ دین کے حاملین کو خطاب کرتے ہوئے اسی نکتہ کی جانب خاص طور سے متوجہ فرمایا تھا کہ اللہ سے تعلق کی مضبوطی اور اس کی رضا کے حصول کے لیے گناہ کے کاموں سے پرہیز ضروری ہے، خود ان کے الفاظ میں: ''اللہ سے تعلق پیدا کرو اور تقویٰ اختیار کرو، یعنی جن باتوں کو اللہ نے گندہ اور گناہ قرار دیا ہے ان سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو۔ اللہ کا تعلق اور اللہ کی رضا نصیب ہونے کی یہ خاص شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے، اگر کوئی شخص گندگیوں اور گناہوں اور ان باتوں سے بچنے کی فکر نہیں کرتا جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں تو وہ اپنے لیے خدا کی رحمت و مقبولیت کے دروازے بند کرلیتا ہے'' (محمد منظور نعمانی، دینی مدارس کے طلباء سے: آپ کون ہیں، کیا ہیں اور آپ کی منزل کیا ہے؟ لکھنؤ، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱)۔ خلاصہ یہ کہ اللہ اور رسول کی اطاعت اور گناہ سے پرہیز کا ایک بہت بڑا فیض ربِّ کریم کی نصرت کا مستحق بننا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گناہوں سے بچنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور مصائب و مشکلات سے نجات کا مؤثر ذریعہ ہے۔ انسان روزمرّہ زندگی میں مصائب و مشکلات سے دوچار ہوتا رہتا ہے، شب و روز بسر کرتے ہوئے اسے طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قرآن و حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے نجات کا سب سے اہم ذریعہ یہ ہے کہ ربِّ کریم کو راضی کیا جائے اور گناہوں سے بچا جائے۔

لہٰذا، نصرتِ الٰہی طلب کرنے والوں کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ ان باتوں اور کاموں کے قریب نہ جائیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بنتے ہیں۔ قرآن ہمیں صاف صاف بتاتا ہے کہ باطل عقائد کو ماننا، برے اعمال میں ملوث ہونا یا گناہ کے کام کرتے رہنا اللہ رب العزت کو ناراض کرنا ہے۔ اس ضمن میں قرآن میں خاص طور سے کفر و شرک اور ناشکری، مالی بددیانتی و خیانت، غیبت و بہتان تراشی، استہزاء و تحقیر، تکبر و غرور، فتنہ و فساد، ظلم و زیادتی، محرمات کو حلال سمجھنے، قول و فعل میں عدمِ مطابقت یا نفاق، اللہ کی آیات کے بارے میں کٹ حجتی اور کسی بھی معاملہ میں اللہ ربّ العزت کی مقررہ حدود سے تجاوز کرنے کا ذکر ملتا ہے (المومن ۴۰: ۱۰، ۳۵)

اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کیسے موجبِ خیر بنتے ہیں اور اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال کس طرح انسان کے لیے تباہ کُن ثابت ہوتے ہیں؟ اسے حضرت ابودرداءؓ سے مروی ایک حدیث قدسی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَ مَلِكُ الْمُلُوْكِ، قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِیْ یَدِیْ وَ اِنَّ الْعِبَادِ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَیْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّاْفَةِ وَ اِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسُّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوْكِ وَلٰكِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَیْ اَكْفِیْكُمْ (محمد ابن عبد اللہ الخطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح ۳۷۲۱، کتاب الامارۃ والقضا، الفصل الثالث، ج ۲، ص ۳۲۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضے میں ہیں۔ جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت وشفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دلوں کو پھیر کر ان میں سختی و انتقامی جذبہ بھر دیتا ہوں، پھر وہ انھیں بدترین تکلیفوں سے دوچار کرتے ہیں۔ اے میرے بندو! (ایسی حالت میں) ان بادشاہوں کو بددُعا دینے کے بجائے (حالات میں تبدیلی کے لیے) ذکر و تضرع [اللہ کی یاد اور اس کے سامنے رونے گڑگڑانے] میں مصروف ہوجاؤ تو میں اِن بادشاہوں (کے شر سے حفاظت) کے لیے تمھارے لیے کافی ہوں گا۔

● **توبہ و استغفار**: قرآن کریم سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ توبہ و استغفار سے مادّی و روحانی یا دنیوی و اُخروی دونوں فیوض و برکات کے دروازے کھلتے ہیں۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا، تمھیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمھارے لیے باغات پیدا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری کر دے گا'' (نوح ۷۱:۱۰-۱۲)۔

اس آیت کی تشریح میں صاحبِ کشّاف نے حضرت حسن بصریؒ کے تعلق سے ایک دلچسپ اور اہم روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے ان سے خشک سالی کی شکایت کی تو انھوں نے کہا کہ اس سے نپٹنے کے لیے استغفار کرو۔ دوسرے نے فقر و فاقہ کی شکایت کی تو کہا: مغفرت طلب کرو۔ تیسرے نے اولاد سے محرومی اور چوتھے نے پیداوار میں کمی کی شکایت کی تو سب کے جواب میں انھوں نے یہی فرمایا کہ استغفار کرو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کے سامنے مختلف قسم کے مسائل پیش کیے گئے، آپ نے سب کا ایک ہی حل بتایا کہ استغفار کرو۔ اس اشکال کے جواب میں حضرت حسن بصریؒ نے سورۂ نوح کی مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائیں (الزمخشری، الکشّاف، بیروت، ۱۹۹۷ء، ۴/ ۶۲۰۔ نیز ملاحظہ فرمائیں: سیّد مودودی، تفہیم القرآن، ششم، ص ۱۰۰-۱۰۱)۔

اسی طرح حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کو اس طور پر نصیحت فرمائی تھی: وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ۝۵۲ (ھود ۱۱:۵۲) ''اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف پلٹ کر آؤ، وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دے گا اور تمھاری (موجودہ) قوت میں مزید اضافہ فرمائے گا، اور حق سے منہ پھیر کر مجرم نہ بن جاؤ''۔

اسی سورہ کی آیت ۳ میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قوم سے خطاب ان الفاظ میں ملتا ہے: وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط (ھود ۱۱:۳) ''اور تم اپنے رب سے مغفرت چاہو اور اس سے توبہ کرو تو وہ ایک خاص مدت تک تم کو اچھا سامانِ زندگی دے گا اور ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا''، یعنی ہر نیکی کرنے والے کو اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

توبہ و استغفار کے فیوض کے بیان میں یہ ارشادِ نبویؐ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے:

> جو شخص توبہ و استغفار کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ پیدا فرماتا ہے۔ ہر رنج و غم سے اسے نجات دیتا ہے اور ایسے ذریعے سے اسے روزی عطا فرماتا ہے کہ اسے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا (سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، باب الاستغفار)

● **رجوع الی اللہ:** ان سب تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ غنی و بے نیاز ہے، مختارِ کُل و قادرِ مطلق ہے۔ اس کے بندے محتاج، عاجز و درماندہ ہیں، انھیں مختلف قسم کی ضروریات لاحق ہوتی رہتی ہیں۔ وہ مسائل و مشکلات اور مصائب سے دوچار ہوتے ہیں اور بیماری و آزاری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان تمام آزمائشی حالات سے نجات کا سب سے مؤثر ذریعہ اللہ رب العالمین کو یاد کرنا، اس سے رجوع کرنا اور اس کے فضل و کرم کی التجا اور اس کے دربار میں حاضر ہوکر اس کی رحمت کے لیے فریاد کرنا ہے۔

حقیقت یہ کہ آزمائش اور مصائب و مشکلات کے گھیرے میں جب مومن بندے صدقِ دل سے، عاجزی و انکساری کے ساتھ، ہر طرف سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے لیے پوری طرح یکسو ہوکر ربّ کریم کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں اور اس کی مدد کے طلب گار ہوتے ہیں تو ان کی فریاد نہ صرف سنی جاتی ہے، بلکہ انھیں یہ اطمینان دلایا جاتا ہے کہ بس اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچنا ہی چاہتی ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (البقرہ ۲: ۲۱۴) پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنّت کا داخلہ تمھیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ اُن پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ ــــ (اُس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ) ہاں، اللہ کی مدد قریب ہے۔

آیت کے آخری حصّہ کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ تحریر فرماتے ہیں: مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کا اسلوب اُس فریاد کو ظاہر کرتا ہے جس کی نوعیت امید کے دروازے پر آخری دستک کی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ نصرتِ الٰہی کا دروازہ اِسی دستک کی کلید سے کھلتا ہے: اَلَآ نَصْرُ اللّٰهِ قَرِيْب۔

رہروِ تشنہ لب نہ گھبرانا اب لیا چشمۂ بقا تو نے (تدبرِ قرآن، اوّل)

قرآن ہمیں اس حقیقت سے بھی باخبر کرتا ہے کہ رحمتِ الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے توبہ و استغفار، یعنی گناہوں کی بخشش مانگنے سے۔ ہم غور کریں اور اس پر توجہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کتنے محبت بھرے

انداز میں اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اس کی رحمت کے طلب گار رہو تو مغفرت طلبی کو اپنا معمول بناؤ، آخر تم لوگ یہ راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے ؟

فرمانِ الٰہی ہے: لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۴۶﴾ (النمل ۲۷:۴۶) ''تم لوگ اللہ سے مغفرت کیوں نہیں طلب کرتے کہ تم پر رحم کیا جائے؟'' سچ یہ ہے کہ آیت پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ اے لوگو! اگر رحمتِ الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہو تو اللہ رب العزت سے خوب کثرت سے توبہ واستغفار کرو۔ اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ توبہ واستغفار کی قبولیت اللہ کی صفتِ رحیمیت کا مظہر ہے، یعنی اللہ کی رحمت کے فیض سے ہی بندے کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کے گمراہ و نافرمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے اور اس سے رجوع کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے خاص طور سے اللہ کی صفتِ رحیمیت اور ودودیت کا حوالہ دیا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ﴿۹۰﴾ (ھود ۱۱:۹۰) ''اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف پلٹ کر آؤ، بے شک میرا رب رحم فرمانے والا اور (اپنے بندوں سے) بے حد محبت فرمانے والا ہے''۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا حقیقی مولیٰ و مددگار ہے۔ ہمیں ہر حال میں اللہ ہی سے رجوع کرنا اور اس کو راضی کرنے والے اعمال بجا لانے ہیں۔ اسی میں ہمارے لیے خیر و فلاح ہے اور یہی نصرتِ الٰہی نصیب ہونے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ یہ قرآن کا اعلان ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے، اپنی نصرت سے نوازتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴿۱۳﴾ (اٰل عمرٰن ۳:۱۳) ''اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کو چاہتا ہے، مدد دیتا ہے۔ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے''۔

اس کے بندوں کا کام بس یہ ہے کہ وہ نصرتِ الٰہی کی طلب کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔ اللہ کرے یہ قرآنی حقیقت ہمارے ذہنوں میں جاگزیں ہوجائے اور اس کے اثرات ہمارے اعمال میں پوری طرح سرایت کر جائیں۔